مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

خود غرضی اور ایثار

انسان فطرتاً خود غرض واقع ہوا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہر بہتر چیز اسے کسی نہ کسی طرح حاصل ہو جائے۔ خلاقِ فطرت نے خود اس انسانی کمزوری کی طرف اشارہ فرمادیا ہے:۔

"لا یسئم الانسان من دعاء الخیر"

کہ "انسان دعائے خیر سے نہیں تھکتا (یعنی بھلائی (مال و دولت) مانگتے ہوئے تھکتا نہیں"

یہ حیوانی جبلت اگر اپنی حد کے اندر رہے تو گوارا ہے، لیکن جب یہ اپنی حدود سے تجاوز کر جائے اور ہر انسان اپنا ہی فائدہ سوچنا شروع کر دے تو اس سے معاشرے میں ایک ایسا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے جو پورے معاشرے کی تباہی کا باعث بن جائے۔ باہمی ہمدردی، اخوت اور ایثار جیسی صفاتِ جمیلہ ناپید ہونے لگتی ہیں اور ان کی جگہ، جھوٹ، بددیانتی، مکر و فریب اور شقاوتِ قلبی جیسے رذیل اخلاق ابھر آتے ہیں جو آگے چل کر اور بہت سی برائیوں کو جنم دیتے ہیں۔ ہر شخص اپنے معمولی سے فائدہ کی خاطر دوسرے کا بھاری نقصان کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ جب ہر فرد خود غرضی کا مجسمہ بن جائے تو اس سے ہمارے لین دین کے معاملات، ہمارے کاروبار، ہماری تجارت، ان سب کا متاثر ہونا لازمی امر ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "تمام تنازعات اور جھگڑوں کی بنیاد زر، زن اور زمین یہی تین چیزیں ہیں"۔ لیکن اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان سب کی

تہہ میں بھی یہی خودغرضی کارفرما ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے آج کل ہمارے معاشرہ میں خودغرضی کا جذبہ بڑی حد تک سرایت کر چکا ہے ہر کوئی اپنے معمولی مفاد کی خاطر دوسرے کے حلق پر چھری چلانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ کاروبار میں ہر طرح کی بددیانتی ہو رہی ہے۔ ہر شخص اپنے حقوق زیادہ سے زیادہ وصول کرنے اور دوسرے کا حق دبانے کی فکر میں رہتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس"

کہ "بحر و بر میں لوگوں کے کردہ گناہوں کی بنا پر فساد رونما ہو گیا۔"

ایثار:

اسلام اسی خودغرضی کو اپنی حدود کے اندر مقید کر کے، اس کے بجائے ایثار، ہمدردی، اور اخوت جیسی صفاتِ جمیلہ کو فروغ دینا چاہتا ہے اور اسے ہی ذریعۂ نجات قرار دیتا ہے

"ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون" ۵۹/۹

کہ "مسلمان اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ فاقہ سے ہوں، اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح یافتہ ہیں۔"

لوگوں کے کام آنا:

اسلام ہدایت کرتا ہے کہ اپنے مفاد سے زیادہ دوسروں کے مفاد کو مقدم سمجھا جائے اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دی جائے، ارشادِ نبوی ہے:

"من کان فی حاجۃ اخیہ، کان اللہ فی حاجتہ"

کہ "جو شخص اپنے بھائی کے کام میں ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں ہوتا ہے۔"

اسلام صاحبِ استطاعت لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے غریب بھائیوں، یتیموں، . . . مسکینوں اور قرابت داروں کی ہر طرح سے خدمت کرے، خدا تعالیٰ ایسا مال خرچ کرنے کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نام دیتے ہیں۔ اور جو ایسا صدقہ دیا جائے، یا قرضِ حسنہ دے کر کسی حاجت مند کی ضرورت پوری کر دی جائے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ صدقہ یا قرضہ اس کو نہیں بلکہ مجھے دیا ہے۔ اس مضمون کی اتنی زیادہ آیات قرآنِ کریم میں

موجود ہیں کہ ان کا یہاں ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

باہمی ہمدردی . . .

. . . کا سبق یوں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "میں قیامت کے دن ایک شخص سے سوال کروں گا، کہ میں جب بیمار تھا تو تم نے میری عیادت بھی نہ کی"، وہ کہے گا، "الٰہی آپ کیسے بیمار ہو سکتے ہیں؟" خدا تعالیٰ فرمائیگا، "میرا فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تو عیادت کے لئے اس کے ہاں جاتا تو مجھے وہاں پا لیتا۔ گویا اپنے بیمار بھائی سے یہ ہمدردی خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث اور اس کو پالینے کے مترادف ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں پیاسا تھا، تم نے مجھے پانی بھی نہ پلایا، پھر بھی یہی سوال و جواب ہوگا۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ "میں بھوکا تھا، تم نے مجھے کھانا بھی نہ کھلایا، پھر ویسے ہی سوال و جواب ہوگا — ملاحظہ فرمائیے، دوسروں سے ہمدردی کتنا بڑا نیکی کا کام قرار دیا جا رہا ہے۔ مولانا حالی مرحوم کا یہ شعر بھی حدیث ہی کا ترجمہ ہے ؎

یہی ہے عبادت، یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

قدرِ مشترک:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ہمدردی اور اخوت کا سبق دے کر خود غرضی پر کاری ضرب لگائی ہے، فرمایا:

"الناس شرکاء فی ثلثۃ، الکلاء والماء، والنار" (احمد، ابوداؤد، نسائی)

"تین چیزوں میں سب لوگ شریک ہیں: گھاس، پانی اور آگ!"

گویا معمولی چیزوں کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ لوگ خود غرضی کو چھوڑ کر باہمی ہمدردی کا احساس کرنا سیکھیں۔ بھلا کس کس بات کو احاطۂ تحریر میں لایا جائے، اسلام کی ساری تعلیم ہی یہ سبق دیتی ہے۔

مال بڑھتا ہے:

اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ کا جو فلسفہ بیان فرمایا ہے، وہ ہم جیسے ظاہر پرستوں کو کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ فرماتا ہے، جو مال خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے۔ حالانکہ وہ بظاہر بڑھنے کے بجائے گھٹتا نظر آتا ہے

سود کے متعلق ارشاد ہے کہ اس سودی کمائی میں برکت نہیں حالانکہ سود کا فائدہ یقینی نظر آتا ہے۔

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:

"جس شخص نے حج یا عمرہ کیا تو خدا تعالیٰ اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے"

لیکن ہم یہ سوچتے ہیں کہ جو کچھ پاس موجود ہے، اگر یہ رقم حج پر صرف کر دی تو کاروبار کیسے چلے، یا باقی ضرورتیں کیسے پوری ہوں گی؟ یا یہ کہ "جو شخص اپنے بھائی کے کام میں ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں ہوتا ہے" اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ "تجھ کو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو"!

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"لا توعی فیوعی اللہ علیک"

"مال سنبھال کر نہ رکھو وگرنہ پھر خدا بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کریگا"

بات صرف اتنی ہے کہ ہماری عقل نہایت محدود اور خود غرضی پر حریص واقع ہوئی ہے بمصداق قولِ ربانی:

"واحضرت الانفس الشح"

لیکن خلاقِ کائنات کی حکمت نہایت وسیع و بلیغ ہے۔ پھر رزق کے تمام تر وسائل و ذرائع بھی اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، خدا تعالیٰ ایک فرد کی نہیں بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کی بھلائی کے احکام جاری فرماتا ہے۔ لہٰذا ہماری ناقص عقل کسی بھی معاملہ کے فائدہ اور نقصان کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتی۔ تاہم ایک مومن آدمی جو خدا تعالیٰ اور اس کے احکامات پر ایمان رکھتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے، وہ خود تجربہ سے معلوم کر لیتا ہے کہ خدائی احکامات کس قدر حقیقت پر مبنی ہیں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے اسے ایسی جگہوں سے رزق ملتا ہے جہاں تک اس کی عقل کی رسائی بھی ناممکن ہوتی ہے۔

اب یہاں سابقہ امتوں کے واقعات میں سے تین یہاں درج کئے جاتے ہیں جو ان حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ تو قرآنِ کریم میں سورۂ قلم میں مذکور ہے، باقی دو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔

آمدنی کے تین حصے: کسی شخص کا ایک باغ تھا، جو بھرپور فصل دیتا تھا۔ اس شخص کا

ساری زندگی یہ دستور رہا کہ جب بھی پھل کا فصل اٹھاتا تو اس کے تین حصے کرتا۔ ایک حصہ تو خود رکھ لیتا، دوسرا حصہ اپنے قریبی رشتہ داروں اور ہمسایوں میں تقسیم کر دیتا اور ایک حصہ فقراء و مساکین میں بانٹ دیتا، اس ایثار کی وجہ سے اس کا باغ سب سے بڑھ کر پھل دیتا کٹائی کے دن غریب عوام اس کے باغ کے گرد اکٹھے ہو جاتے اور اس سے اپنا اپنا حصہ وصول کر لیتے۔

داناؤں کی دانائی:

جب یہ شخص فوت ہو گیا تو اس کے لڑکوں کو خیال آیا کہ ہمارا بوڑھا باپ تو عقل سے عاری تھا، ساری عمر اپنی کمائی یونہی اجاڑتا رہا، اب کے برس یہ ریت ختم کر دینی چاہیئے، لہٰذا انہوں نے یہ طے کیا کہ کٹائی راتوں رات کر لی جائے تاکہ نہ غریب مسکین آئیں نہ ہمیں تنگ کریں۔ چنانچہ جب کٹائی کا وقت آیا تو پروگرام کے مطابق وہ رات کے وقت خوشی سے اچھلتے کودتے فصل کاٹنے روانہ ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آندھی کو حکم دیا جس میں آگ تھی اور آندھی نے ان بھائیوں کے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی باغ کو جلا کر راکھ کر دیا۔ یہ نقشہ دیکھ کر انہوں نے سوچا کہ شاید ہم کسی غلط جگہ پر آ پہنچے ہیں۔ لیکن جب حواس ذرا درست ہوئے تو اصل حقیقت ان پر آشکارا ہو گئی کہ قدرت کی طرف سے ان کی بدنیتی کی یہ انہیں یہ سزا ملی، اب وہ باہم دگر ملامت کرنے لگے لیکن اب پچھتاوا بے سود تھا۔

۲۔ خدا خود آپ کی فکر کرتا ہے:

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ کوئی خدا کا بندہ ایک دفعہ جنگل سے گذر رہا تھا کہ ایک چھوٹی سی بدلی سر پر منڈلانے لگی جس میں سے یہ آواز آئی (جیسے اس بدلی کو کچھ حکم مل رہا ہو) "جاؤ اور جا کر فلاں آدمی کی کھیتی کو سیراب کر دو" یہ آواز سن کر وہ سخت متعجب ہوا اور سوچنے لگا کہ اس نیک بخت کا حال ضرور معلوم کرنا چاہیئے جس کے متعلق آسمان سے ہدایات جاری ہو رہی ہیں۔ چنانچہ وہ بادل کے اس ٹکڑے کے ساتھ ساتھ روانہ ہو لیا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے کھیتوں کی نالیاں وغیرہ یوں درست کر رہا ہے جیسے ابھی اسے پانی مہیا ہونے والا ہے، بدلی یہیں آ کر رک گئی —— گاڑھی ہوگی اور پھر بارش برسانے لگی۔ یہاں تک کہ کھیت سیراب ہو گیا، جوں ہی کھیت سیراب ہوا، بارش تھم گئی اور آسمان صاف ہو گیا۔

اب اللہ کے اس بندے نے کھیتی کے مالک سے حقیقتِ حال بیان کرکے استدعا کی کہ وہ اُسے بھی اپنے ان نیک اعمال سے آگاہ کرے جن کی بنا پر خدا تعالیٰ اس پر اس قدر مہربان ہے، اس نے جواب دیا، "میں تو فقط یہ کرتا ہوں کہ جب فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے تو اس کے تین حصے کر دیتا ہوں، ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیتا ہوں، ایک حصہ اپنے قریبیوں اور ہمسایوں کو دے دیتا ہوں اور ایک حصہ فقراء میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرے ذمہ صرف یہی کام ہے کہ میں بیج ڈال کر کھیت کو درست کر دیتا ہوں، اس کو سیراب کرنے کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں، یہ کام اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور وہ ہر سال بروقت ہو جاتا ہے۔"

۳۔ دوسروں کی ضرورت کے احساس کی برکتیں:

دو آدمیوں نے مل کر کھیتی باڑی شروع کی۔ ایک بوڑھا تھا، دوسرا جوان، جب فصل پک کر تیار ہو گئی تو دونوں نے مل کر فصل کے دو برابر حصے کر لئے۔ شام کا وقت تھا، اب انہیں اپنا اپنا حصہ سر پر اٹھا کر گھر لے جانا تھا۔ پہلے نوجوان نے گٹھڑی باندھی اور اپنے سر پر رکھ کر چل دیا۔ فصل کے پاس اب بوڑھا اکیلا بیٹھا تھا، اسے خیال آیا کہ میں تو زندگی کی بہاریں دیکھ چکا، مجھے اب آخر اتنے رزق کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ نوجوان آدمی ہے، اس کی بے شمار ضروریات ہوں گی، یہ مجھ سے زیادہ حاجت مند ہے، یہ سوچ کر اس نے اپنے حصہ میں سے کچھ فصل اس نوجوان کے حصہ میں شامل کر دی۔

نوجوان گھر سے واپس آیا، اب بوڑھے کی فصل لے جانے کی باری تھی۔ جب وہ گٹھڑی اٹھا کر روانہ ہوا تو نوجوان آدمی کو خیال آیا کہ میں تو نوجوان ہوں، خوب محنت کر سکتا ہوں، ساری عمر کھاتا کماتا رہوں گا، اس بوڑھے نے کس مشقت سے یہ کام کیا ہے لہٰذا یہ مجھ سے زیادہ حقدار ہے اور یہ سوچ کر اپنے حصہ میں سے کچھ حصہ اس بوڑھے کے ڈھیر کی طرف منتقل کر دیا۔

اس طرح وہ دونوں باری باری رات کے اندھیرے میں اپنا اپنا حصہ اٹھاتے رہے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا کہ ایک جاتا تو دوسرا اپنے حصہ میں سے تھوڑا سا حصہ دوسرے کے حصہ میں شامل کر دیتا۔ خدا تعالیٰ دونوں پر مہربان ہو گیا۔ رات کے اندھیرے میں دونوں حیران تھے کہ ان کی فصل اتنی زیادہ تو نہ تھی جس قدر وہ اپنے گھروں کو لیجا

رہے تھے اور جو کسی طرح ختم ہوتی نظر نہ آتی تھی ۔ آخر جب صبح کی روشنی ہوئی اور ہر چیز نمایاں نظر آنے لگی جس کی وجہ سے ایثار کا یہ سلسلہ وہ جاری نہ رکھ سکے تب جا کر ان کے ڈھیر ختم ہونے کو آئے ۔

سوچنے کی بات ہے کہ آخر یہ رزق میں برکت اور فراوانی جو ان واقعات میں بیان کی گئی ہے ، کہاں سے آگئی ؟ کیا یہ سب اتفاقی امر تھا ! اور پھر ان کی حقیقت محض واقعات و حکایات کی نہیں ہے کہ چاہے تو کوئی تسلیم کرے اور چاہے تو انکار کر دے بلکہ مسلمان ہونے کی بنا پر خدا اور اس کے فرمودات پر ہمیں یقین کرنا پڑے گا اور پھر ان ہدایات پر بھی عمل کرنا ہوگا جو ہمیں دی جا رہی ہیں ۔

ایسے واقعات عام کتابوں میں بھی بکثرت مل جاتے ہیں ۔ اگر آپ اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالیں تو آج بھی ایسے لوگ آپ کو نظر آ جائیں گے جو ایثار و خلوص کی دولت سے مالا مال ہیں صرف تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے ۔

(باقی)

بقیہ جشنِ میلاد :

. . وہ اتنا بھی نہیں سمجھا کہ میرے قول و فعل میں تناقض ہے ۔ کیونکہ اس کے دعوائے تقلید کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس میں اجتہادی قابلیت نہیں ہے جبکہ اس بدعت کو ثابت کرنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس میں اجتہادی قابلیت ہے ۔ چنانچہ توضیح میں ہے "

" دلیل المقلد ان یقول ھذا ما ادی الیہ رای ابی حنیفۃ وکلما ادی الیہ رای ابوحنیفہ فھو عندی صحیح "

اور مسلم الثبوت میں ہے :

" اما المقلد فمستند ہ قول مجتھد ہ " یعنی "مقلد کی دلیل امام کا قول ہے اور بس !"

پس اس بدعت کا اہتمام کرنے والے اس کے جواز میں اپنے امام کا قول دکھا دیں ، بات ختم ہو جائے گی ! فان لم تفعلوا ولن تفعلوا ــــــ !